رسائل ومسائل

چند جدید ملحدانہ نظریات کا علمی جائزہ

سوال - میرے ایک عزیز جو ایک اونچے سرکاری منصب پر فائز ہیں، کسی زمانے میں پکّے دیندار اور پابند صوم وصلوٰۃ ہُوا کرتے تھے، لیکن اب کچھ کتابیں پڑھ کر لامذہب ہو گئے ہیں۔ ان کے نظریات یکسر بدل چکے ہیں۔ ان نظریات کی تبلیغ سے بھی وہ باز نہیں آتے۔ میں ان کے مقابل میں اسلامی احکام و تعلیمات کی مدافعت کی پوری کوشش کر رہا ہوں لیکن اپنی کم علمی کی وجہ سے ان کا مدلّل جواب دینا میرے بس میں نہیں ہے۔ اس لئے آپ سے گذارش ہے میری مدد فرمائیں۔ ان کے موٹے موٹے نظریات درج ذیل ہیں:

۱۔ خدا کو وہ قادرِ مطلق اور اس جہان کا پیدا کرنے والا تو مانتے ہیں مگر ان کے نزدیک جہان کو خدا نے بنا کر چھوڑ دیا ہے، اور اب یہاں جو کچھ بھی ہو رہا ہے آپ سے آپ (AUTOMATIC) ہو رہا ہے۔

۲۔ رسُولؐ کو وہ ایک مصلح (ریفارمر) سے زیادہ درجہ دینے کے لیے تیار نہیں۔ البتہ انہیں وہ نیک اور غیر معمولی قابلیت کا انسان بھی سمجھتے ہیں۔

۳۔ قرآن شریف کو وہ (معاذ اللہ) رسول خدا کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔ اسکی بہت سی باتوں کو اس وجہ سے ناقابلِ عمل سمجھتے ہیں کہ وہ صرف اُس وقت کے لیے تھیں، جب قرآن نازل ہُوا۔

۴۔ عبادات، نماز، روزہ وغیرہ کو صرف برُائی سے بچنے کا بہترین ذریعہ اور معاشرے کو صحیح ڈگر پر چلانے کا آلہ سمجھتے ہیں۔

۵۔ نظریۂ شیطان ان کے خیال میں خدا کے واسطے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ خدا تو نیکی کی توفیق دیتا ہے اور شیطان برائی کی طرف کھینچتا ہے۔ اور بظاہر تو عام طور پر شیطان کی جیت ہوتی ہے۔

۶۔ چار شادیوں، غلام رکھنے اور قربانی کو لغو قرار دیتے ہیں۔

اُمید ہے کہ آپ کچھ وقت نکال کر ان باتوں کا مختصر جواب دیں گے اور ان کتابوں کے نام جہاں سے میں ان کی تسلّی کر سکوں درج فرما کر ممنون کریں گے۔

جواب

مجھے آپ کے عزیز عہدے دار کے خیالات معلوم کر کے بڑا افسوس ہُوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے، اور آپ کو ان کے اثر سے محفوظ رکھے۔ اگر آپ نے میری کتابوں کا مطالعہ کیا ہوتا تو آپ ان کی سب باتوں کا جواب بڑی اچھی طرح دے سکتے تھے۔ اب بھی میں آپ کو مطالعہ کر کے تیار رہنے کا مشورہ دوں گا۔ کیونکہ خط و کتابت میں اتنے بڑے بڑے مسائل کو سمجھانا بڑا مشکل ہے۔

مختصراً میں ان باتوں کا جواب دیتا ہوں جو آپ نے پوچھی ہیں:

(۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جس شخص کی قوتِ فکر ماؤف نہ ہو وہ کبھی یہ تصوّر نہیں کر سکتا کہ کوئی قانون اور نظم (LAW AND ORDER) کسی نافذ کرنے والے اقتدار (AUTHORITY) کے بغیر بھی نافذ ہو سکتا اور جاری رہ سکتا ہے۔ کائنات میں قانون اور نظم موجود ہے، اس کا انکار تو کسی طرح کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اب کیا عقل یہ باور کر سکتی ہے۔ کہ اتنے بڑے لامحدود پیمانے پر لامحدود مدّت تک یہ قانون اور نظم کسی اقتدار کے بغیر ہی چل رہا ہے؟ کوئی غیر متعصب عقل تو اسے باور نہیں کر سکتی۔ مگر دو باتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے اچھے خاصے ہوشمند انسان اس نادانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ ان کی فکر و نظر کا ظرف بہت تنگ ہے جس کے باعث وہ اس عظیم الشان اقتدار کا تصوّر کرنے سے عاجز رہ جاتے ہیں جو اتنی بڑی کائنات میں نظم اور قانون کو ازل سے

ابد تک چلا رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ اس کو ماننا چاہتے ہی نہیں ہیں، کیونکہ اس کو مان لینے کے بعد ان کے لیے دنیا میں من مانی کرنے کی آزادی باقی نہیں رہتی۔

یہ تو خدا کے متعلق ان کے تصوّر کی غلطی ہے۔ لیکن جو حضرات اس طرح کی باتیں کرتے ہیں ان سے عرض کیجیے کہ اتنے بڑے بڑے مسائل پر سوچنے اور اظہار رائے کرنے والے آدمیوں کو کم از کم ایماندار (HONEST) تو ہونا چاہیے۔ آپ لوگ اس صفت سے بھی خالی ہیں۔ آپ خدا اور رسول اور قرآن کے متعلق جو باتیں کرتے ہیں وہ اسلام کے بالکل خلاف ہیں، مگر اس کے باوجود آپ مسلمان بنے پھرتے ہیں اور مُسلم معاشرے کو دھوکا دینے میں آپ کوئی تامل نہیں کرتے۔ اگر آپ ایماندار ہوتے تو جس وقت آپ نے یہ آراء قایم کی تھیں اسی وقت اسلام سے اپنی علاحدگی کا اعلان کر دیتے اور اپنے نام بھی تبدیل کر لیتے تاکہ مسلم معاشرہ آپ سے دھوکا کھا کر آپ کے ساتھ اپنے وہ معاملات جاری نہ رکھتا جو وہ کسی غیر مسلم کے ساتھ رکھنا پسند نہیں کرتا۔ اس صریح جعل سازی اور فریب کے بعد آپ کی کسی رائے کو وہ وقعت دینا جو صرف ایماندار اور مخلص آدمیوں کی آراء ہی کو دی جا سکتی ہے، ہمارے لیے سخت مشکل ہے۔

(۲) رسول کے بارے میں ان کے خیالات متضاد ہیں۔ ایک طرف وہ رسول کو نیک آدمی بھی کہتے ہیں، جس سے لازم آتا ہے کہ وہ اس کو سچا آدمی بھی مانیں (الا یہ کہ ان کے نزدیک کوئی جھوٹا آدمی بھی نیک ہو سکتا ہو) اور دوسری طرف وہ رسول کے اس دعوے کو جھوٹا بھی قرار دیتے ہیں کہ وہ محض ریفارمر نہیں ہے بلکہ خدا کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ایک صحیح العقل آدمی ان دونوں باتوں کو جمع نہیں کر سکتا۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئیس ۲۳ سال تک اپنی زندگی کا ہر لمحہ اپنے مخالفین کے مقابلہ میں ایک ایسی جدوجہد (STRUGGLE) کرتے ہوئے گذارا ہے جس کی بنیاد ہی یہ تھی کہ آپ اپنی رسالت کے مدعی تھے اور آپ کے مخالفین اسی بات کو نہ ماننا چاہتے تھے۔ اب ایک شخص کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دو ہی رویے اختیار کرنا معقول ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ اگر وہ ان کو سچا آدمی سمجھتا ہے تو ان کو رسول مانے۔ دوسرے یہ کہ وہ اگر ان کو رسول نہیں مانتا تو معاذ اللہ انہیں بدترین جھوٹ اور فریب کا مرتکب خیال کرے۔

ان دونوں باتوں کے درمیان ایک تیسری راہ اختیار کرنا اور کہنا کہ وہ سچے آدمی بھی تھے اور رسول بھی نہ تھے، سراسر غیر معقول بات ہے۔

اس کے جواب میں ایسے لوگوں کی جانب سے زیادہ سے زیادہ دو باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اصلاح کی خاطر رسالت کا دعویٰ کر دیا تاکہ وہ خدا کے نام سے وہ احکام تسلیم کرا سکیں جو وہ اپنے نام سے پیش کر کے نہ منوا سکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے اس دعوائے میں مخلص تو تھے مگر حقیقت میں رسول نہ تھے بلکہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ وہ رسول ہیں۔

ان میں سے پہلی بات جو شخص کہتا ہے وہ میرے نزدیک اخلاقی حیثیت سے بڑا خطرناک آدمی ہے جس سے ہر شریف انسان کو ہوشیار رہنا چاہیے۔ اس لیے کہ اگر ہم اس کے اس خیال کا تجزیہ کریں تو صریحاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کے نزدیک نیک مقصد کے لیے بُرا طریق کار اختیار کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ قابلِ وقعت (RESPECTABLE) بھی ہے۔ اسی وجہ سے وہ ایسے آدمی کو مصلح اور نیک آدمی سمجھتا ہے جس نے اس کے خیال میں محض اصلاح کرنے کے لیے (نعوذ باللہ) دعوائے رسالت جیسا عظیم الشان فریب گھڑ لیا تھا۔ اس طرح کے گھٹیا نظریات رکھنے والے آدمی سے کچھ بعید نہیں ہے کہ کل وہ کسی اچھے مقصد کے لیے (جس کو وہ اچھا سمجھتا ہو) کسی کے ہاں چوری کر ڈالے، یا کوئی جعلی دستاویز بنا لے، یا اور کسی گھناؤنے اخلاقی جُرم کا مرتکب ہو جائے۔ کیونکہ جب اس کے نزدیک ایک فریبی اس بناء پر نیک اور مصلح ہو سکتا ہے کہ اس نے اصلاح کے لیے فریب کاری کی ہے، تو آخر وہ خود اچھے مقاصد کے لیے جرائم کرنے سے کب باز رہ سکتا ہے۔

دوسری بات جو شخص کہتا ہے وہ عقلی حیثیت سے اتنا ہی پست ہے جتنا اوپر والی بات کہنے والا اخلاقی حیثیت سے پست ہے۔ زیادہ سے زیادہ رعایت (ALLOWANCE) دیتے ہوئے ایسے شخص کے متعلق جو کچھ ہم کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ شخص بہت بڑے مسائل پر بہت کم سوچ کر اظہارِ رائے کر دینے کا مریض ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ اس کم عقلی میں مبتلا نہ ہوتا تو کبھی اس بات کو ممکن خیال نہ کرتا کہ ایک شخص اتنا عقیل و فہیم بھی ہو کہ اسے تاریخ انسانی کے بلند ترین اور کامیاب ترین لیڈروں میں

شمار کرنے سے اس کے مخالفین بھی انکار نہ کرسکیں، اور دوسری طرف وہ اپنے بارے میں ۲۳ سال تک مسلسل اتنی بڑی غلط فہمی میں مبتلا رہے اور اپنا سارا کام اسی غلط فہمی کی بنیاد پر چلاتا رہے، بلکہ آئے دن قرآن کی پوری پوری سورتیں خود تصنیف کرکرکے دنیا کو سناتا رہے اور پھر بھی وہ اس غلط فہمی میں پڑا ہوا ہو کہ یہ سورتیں میرے اوپر خدا کی طرف سے نازل ہورہی ہیں۔ میرے نزدیک تو اس بات کو ممکن اور معقول سمجھنے والے آدمی کی اپنی عقل ہی مشتبہ ہے۔ اس کی عقل درست ہوتی تو وہ خود جان لیتا کہ اس طرح کی غلط فہمی صرف مجنون آدمیوں کو لاحق ہوا کرتی ہے، اور کسی مجنون آدمی سے وہ کمال درجہ کے مدبرانہ اور حکیمانہ کارنامے صادر نہیں ہوسکتے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوئے ہیں۔

(۳) قرآن کے متعلق ان کے جو خیالات آپ نے نقل کیے ہیں ان کے بارے میں بھی میری وہی رائے ہے جو میں نے اوپر عرض کی ہے کہ وہ کسی چیز سے پوری واقفیت بہم پہنچائے بغیر اور اس پر کافی غور کیے بغیر رائے قایم کرنے کے خوگر ہیں۔ ان سے پوچھیے کہ آپ نے ساری عمر میں کتنی دفعہ قرآن کا گہرا تحقیقی مطالعہ فرمایا ہے جس کے بعد آپ اس کے بارے میں یہ فیصلہ دینے کے قابل ہوئے ہیں۔ اگر وہ ایمانداری کے ساتھ یہ تسلیم فرمالیں کہ اُنہوں نے اس طرح کا تحقیقی مطالعہ نہیں کیا ہے، تو ان سے گزارش کیجیے کہ تحقیق کے بغیر ایسے اہم مسائل میں فیصلے صادر کرنا کسی ذی ہوش اور تعلیم یافتہ آدمی کے شایان شان نہیں ہے۔ اور اگر ان کا دعویٰ یہ ہو کہ اُنہوں نے خوب تحقیق کرکے یہ رائے قایم کی ہے تو ان سے دریافت کیجیے کہ قرآن کے اندر اُنہوں نے وہ کون سی شہادت پائی ہے جسے دیکھ کر وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کلام ہے۔ نیز یہ بھی دریافت کیجیے کہ قرآن کی کن کن باتوں کو اُنہوں نے ناقابلِ عمل، یا زمانۂ نزول قرآن تک کے لیے قابلِ عمل پایا ہے۔ ان امور کی تعیین ان سے کرا لیجیے اور پھر مجھے لکھیے تاکہ میں بھی کچھ ان کے نتائج تحقیق سے استفادہ کرسکوں۔

(۴) عبادات کے بارے میں ان کے جو نظریات آپ نے بیان کیے ہیں وہ بھی سخت ژولیدہ فکری (CONFUSED THINKING) بلکہ بے فکری کا نمونہ ہیں۔ شاید اُنہوں نے کبھی

اس بات پر غور نہیں کیا کہ نماز روزہ وغیرہ اعمال صرف اسی صورت میں بُرائی سے بچنے کا بہترین ذریعہ اور معاشرے کو صحیح ڈگر پر چلانے کا آلہ ہو سکتے ہیں جبکہ انہیں خلوص کے ساتھ کیا جائے، اور خلوص کے ساتھ آدمی ان پر اسی صورت میں کاربند ہو سکتا ہے جب وہ ایمانداری سے یہ سمجھتا ہو کہ خدا ہے اور میں اس کا بندہ ہوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ کے رسول تھے اور کوئی آخرت آنے والی ہے جس میں مجھے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ان سب باتوں کو خلاف واقعہ سمجھتا ہو، اور یہ خیال کرتا ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اصلاح کے لیے یہ ڈھونگ رچایا ہے، تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس صورت میں بھی یہ عبادات بُرائی سے بچنے کا ذریعہ اور معاشرے کو صحیح ڈگر پر چلانے کا آلہ بن سکیں گی۔ ایک طرف ان عبادات کے یہ فوائد بیان کرنا اور دوسری طرف ان فکری بنیادوں کو خود ڈھا دینا جن پر ان عبادات کے یہ فوائد منحصر ہیں بالکل ایسا ہی ہے جیسے آپ کسی کارتوس سے سارا گن پاؤڈر نکال دیں اور پھر کہیں کہ یہ کارتوس شیر کے شکار میں بہت کارگر ہے۔

(۵) شیطان کے مسئلے پر ان کا اعتراض دیکھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی پوری عمر میں کبھی ایک مرتبہ بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں فرمائی کہ قرآن مجید انسان اور شیطان کے معاملے کی کیا حقیقت بیان کرتا ہے۔ اس کو جانے بغیر انہوں نے محض کچھ سُنی سنائی باتوں کی بنیاد پر اس مسئلے کا سطحی سا تصوّر قائم کر لیا اور اس پر اعتراض جڑ دیا۔ یہ اعتراض درحقیقت ان کے اپنے ہی تصوّر پر وارد ہوتا ہے۔ اس تصوّر پر اس کی کوئی زد نہیں پڑتی جو قرآن نے پیش کیا ہے۔ قرآن کا پیش کردہ تصوّر یہ ہے کہ خدا نے انسان کو ایک محدود نوعیت کی آزادی و خود مختاری دے کر اس دُنیا میں امتحان کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور شیطان کو خود اس کے اپنے مطالبے پر یہ آزادی عطا کی ہے کہ وہ اس امتحان میں انسان کو ناکام کرنے کے لیے جو کوشش کرنا چاہے کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ صرف ترغیب و تحریص کی حد تک ہو۔ زبردستی اپنے راستے پر کھینچ لے جانے کے اختیارات اسے نہیں دیے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے خود بھی انسان کو جبراً راہِ راست پر چلانے سے احتراز فرمایا ہے، اور صرف اس

بات پر اکتفا فرمائی ہے کہ انسان کے سامنے انبیاء اور کتابوں کے ذریعہ سے راہِ راست کو پوری طرح واضح کر دیا جائے۔ اس کے بعد خدا کی طرف سے آدمی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ چاہے تو خدا کی پیش کردہ راہ کو اپنے لیے چن لے اور اس پر چلنے کا فیصلہ کرے، اور چاہے تو شیطان کی ترغیبات قبول کر لے اور اس راہ میں اپنی کوششیں اور محنتیں صرف کرنے پر آمادہ ہو جائے جو شیطان اس کے سامنے پیش کرتا ہے۔ ان دونوں راہوں میں سے جس کو بھی انسان خود اپنے لیے انتخاب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسی پر چلنے کے مواقع اسے دے دیتا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر امتحان کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ اس پوزیشن کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد بتائیے کہ شیطان کا چیلنج دراصل کس کے لیے ہے؟ خدا کے لیے یا انسان کے لیے؟ اور انسانوں میں سے جو لوگ شیطان کی راہ پر جاتے ہیں اُن کے معاملہ میں شیطان کی جیت خدا پر ہوتی ہے یا انسان پر؟ خدا نے تو آدمی اور شیطان کو آزادانہ کُشتی لڑنے کا موقع دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ آدمی جیتے گا تو جنّت میں جائے گا، اور شیطان جیتے گا تو ہارنے والا آدمی اور اس کو غلط راہ پر لے جانے والا شیطان دونوں جہنّم میں جائیں گے۔ اب کیا آپ چاہتے ہیں کہ خدا اس کے مقابلے میں مداخلت کر کے زبردستی انسان کو کامیاب کرائے؟

(۶) چار شادیوں اور غلامی اور قربانی کے بارے میں مختصر طریقے سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ میں ان جملہ مسائل پر متعدد مرتبہ تفصیلاً اظہارِ خیال کر چکا ہوں۔ تعددِ ازواج کے مسئلہ کو سمجھنے کے لیے آپ میری تفسیر تفہیم القرآن حصّہ اوّل کے متعلقہ مقامات "انڈکس کی مدد سے (نکاح۔ قانون اسلامی۔ ازدواجی زندگی کے تحت) مطالعہ کریں۔ علاوہ ازیں حکومت کے مقرر کردہ میرج کمیشن کے سوالنامے کا جو جواب میں نے دیا تھا اس میں بھی اس مسئلے پر بحث موجود ہے۔

غلامی کے مسئلے پر آپ میرے درج ذیل مضامین مطالعہ فرمائیں:

۱۔ رسائل و مسائل حصّہ اوّل مضمون "میدانِ جنگ میں قحبہ گری"

۲۔ " " دوم " "اسلام میں غلامی کو ممنوع کیوں نہ کر دیا گیا؟"

۳۔ تفہیمات حصہ دوم مضمون "غلامی کا مسئلہ" نیز "غلاموں اور لونڈیوں کے متعلق چند سوالات"

۴۔ تفہیم القرآن حصہ اوّل و دوم۔ انڈکس میں "غلامی" کے زیرِ عنوان صفحات کا حوالہ موجود ہے
۵۔ ماہنامہ "ترجمان القرآن" شمارہ جون ۵۶ء "کنیز کی تعریف اور اس کے حلال ہونے کی دلیل، تعدد ازواج اور لونڈیاں"

قربانی کے متعلق آپ میری کتاب تفہیمات حصہ دوم میں قربانی کے متعلق مضامین، نیز میرا رسالہ "مسئلہ قربانی" مطالعہ فرمائیں۔

ان ساری تحریروں سے انشاءاللہ آپ کو افہام و تفہیم میں مزید مدد ملے گی۔

پاکستان میں مسیحیت کی ترقی کے اصل وجوہ

سوال۔ اس ملک کے اندر مختلف قسم کے فتنے اٹھ رہے ہیں۔ سب سے زیادہ خطرناک فتنہ عیسائیت ہے۔ اس لیے کہ بین المملکتی معاہدات کے علاوہ عام مسلمانوں کی اقتصادی پس ماندگی کی وجہ سے اس فتنہ سے جو خطرہ لاحق ہے وہ ہرگز کسی دوسرے فتنہ سے نہیں۔

اندریں حالات جبکہ اس عظیم فتنے کے سدِّ باب کے لیے تمام تر صلاحیت سے کام لینا از حد ضروری تھا۔ ابھی تک جناب کی طرف سے کوئی مؤثر کارروائی دکھائی نہیں دیتی بلکہ آپ اس فتنہ سے مکمل طور پر صرفِ نظر کر چکے ہیں۔ ابھی تک اس طویل خاموشی سے میں یہ نتیجہ اخذ کر چکا ہوں کہ آپ کے نزدیک مسیحی مشن کی موجودہ سرگرمی مذہبی اعتبار سے قابلِ گرفت نہیں۔ اور اس فتنہ کو اس ملک کے اندر تبلیغی سرگرمی کا حق حاصل ہے۔ خواہ مسلمانوں کے ارتداد سے حادثۂ عظمیٰ کیوں کر ہی پیش نہ ہو۔ مہربانی فرما کر بندہ کی اس خلش کو دور کریں۔

سعدالدین مردان (حاشیہ دوسرے صفحہ پر)

جواب۔ جن فتنوں کے پھیلنے کا زیادہ تر انحصار نشر و تبلیغ پر ہو ان کا مقابلہ تو بے شک نشر و

تبلیغ کیا جا سکتا ہے اور اس کام میں دانستہ کوتاہی میں نے کبھی نہیں کی ہے۔ لیکن جن فتنوں کو پھیلانے میں، حتیارات کی طاقت کار فرما ہو ان کے علاج کی کوئی صورت اس طاقت کی اصلاح یا تبدیلی کے سوا نہیں ہے۔ ان کو محض نشر و تبلیغ سے نہیں روکا جا سکتا۔

عیسائیت کے معاملہ میں یہی صورت پیش آ رہی ہے جیسا کہ آپ نے خود بھی اپنے خط میں اعتراف کیا ہے۔ جو لوگ اس ملک میں عیسائیت قبول کر رہے ہیں یا پہلے جنہوں نے قبول کی ہے، ان میں بہت ہی کم ایسے ہونگے جنہوں نے دلیل کی بنا پر یہ مان لیا ہو کہ خدا تین ہیں، یا حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے تھے، یا ایک شخص کا سولی پر چڑھ جانا دوسروں کے گناھوں کا کفارہ ہو سکتا ہے۔ اس طرح کے عقائد کو صحیح مان کر، اور اسلام کے معقول عقائد کو غلط سمجھ کر مسلمان سے عیسائی بن جانے والے آخر کتنے ہو سکتے ہیں۔ دراصل جو چیز لوگوں کو عیسائیت کی آغوش میں کھینچے لیے جا رہی ہے وہ مسیحی مشنریوں کی تبلیغ نہیں بلکہ مشن ہسپتالوں، اسکولوں کی کارگزاری ہے جسے فروغ دینے میں ہماری اپنی حکومت کی بالواسطہ اور بلاواسطہ امداد کا بہت بڑا حصّہ ہے۔ اس پر مزید وہ غیر معمولی اثر و رسوخ ہے جو عیسائی پادریوں کو ہمارے حکام عالی مقام کی بارگاھوں میں حاصل ہے۔ یہ بھی عیسائیت کے پھیلنے میں مددگار ہو رہا ہے۔ ان اسباب کی جب تک روک تھام نہ ہو، میری، آپ کی، یا تمام علماء کی مجموعی تبلیغ سے بھی کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔

عیسائی ہسپتالوں میں ہر شخص جا کر خود دیکھ سکتا ہے کہ نہ وہ بے غرض خدمتِ خلق کے ادارے ہیں، اور نہ علاج کے تجارتی ادارے، بلکہ ان میں کھلم کھلا ایمان خریدنے کا کاروبار ہو رہا ہے۔ ان اداروں میں مسلمانوں سے علاج کی خوب فیسیں لی جاتی ہیں اور عیسائیوں کا مفت علاج ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ دینِ مسیحی کی تبلیغ بھی مریضوں پر کی جاتی ہے۔ اس حالت میں ایک غریب

لے (حاشیہ صفحہ سابق) یہاں خلاف معمول سائل کا نام و مقام محض اس وجہ سے دیا جا رہا ہے کہ وہ بالعموم اپنے خطوط میں مکمل پتہ نہیں لکھتے اس لیے انہیں براہِ راست جواب سے مطلع کرنا محال ہوتا ہے۔ اگر وہ ترجمان کے باقاعدہ قارئین میں سے ہیں تو فبہا، ورنہ قارئین میں سے جو انھیں جانتے ہوں جواب سے انھیں مطلع فرما دیں۔

آدمی کے لیے، جو اپنا یا اپنے کسی عزیز کا علاج کرانے کی استطاعت نہ رکھتا ہو، اس امر کی بہت بڑی تحریص موجود ہے کہ وہ اپنا دین تبدیل کرکے علاج کی سہولتیں حاصل کرلے۔

مسیحی مدرسوں اور کالجوں میں بھی یہی صورت ہے کہ ان میں مسلمانوں سے خوب فیسیں لی جاتی ہیں اور عیسائیوں کو مفت تعلیم دی جاتی ہے، بلکہ ان کے لیے بیرونی ممالک میں بھی تعلیم حاصل کرنے کی سہولتیں فراہم کردی جاتی ہیں۔ یہاں پھر غریبوں کے لیے یہ تحریص موجود ہے کہ جو تعلیم وہ اپنے بچوں کو خود نہیں دلا سکتے، اس کا انتظام محض مذہب تبدیل کرنے سے ہو سکتا ہے اور دنیوی ترقی کے دروازے ان کے لیے کھل سکتے ہیں۔

یہ دونوں قسم کے ادارے ہمارے ملک میں ایک طرف تو بیرونی روپے سے چل رہے ہیں، اور دوسری طرف ہماری اپنی حکومت ہر طرح ان کی امداد کررہی ہے۔ ان کو گرانٹ دی جاتی ہے۔ ان کو زمینیں دی جاتی ہیں۔ ان کے ساتھ وہ رعایتیں کی جاتی ہیں جو خود مسلمانوں کے مذہبی اداروں کے ساتھ کبھی نہیں کی گئیں۔ اور ان کے معاملہ میں اس سوال سے بالکل آنکھیں بند کرلی گئی ہیں کہ باہر سے آنے والا یہ روپیہ جو ان اداروں پر خرچ ہو رہا ہے اور غیر ممالک کے مشنری ہمارے شہروں اور دیہات میں پھیل کر اس روپے سے جو کام لے رہے ہیں، اس کے پیچھے خالص دینی تبلیغ کے علاوہ اور کیا اغراض کارفرما ہیں۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ ہمارے اپنے ہی حکمران مذہبی رواداری کے تمام معقول حدود سے تجاوز کرکے اس بات پر نہ صرف راضی ہیں بلکہ اس میں خود مددگار بن رہے ہیں کہ دوسرے لوگ روپے کے زور سے مسلمانوں کے ایمان خرید لیں۔

مسیحی پادریوں کے اثر و رسوخ کا یہ حال ہے کہ آج ہمارے دیہاتی علاقوں میں غیر مسیحی عوام کو ظالموں کے ظلم سے بچانے کے لیے کوئی تحفظ حاصل نہیں ہے، لیکن ہر جگہ مسیحی برادری کا پُشت پناہ ایک پادری موجود ہے جو تھانے سے لے کر سکرٹری ایٹ تک ہر درجے اور مرتبے کے حکام سے مسیحیوں کو نہ صرف انصاف دلواتا ہے بلکہ ان کے لیے بے جا رعایتیں تک حاصل

کر لیتا ہے۔ مسلمانوں کے کسی عالم کو ان حاکموں کی بارگاہوں میں وہ رسائی حاصل نہیں ہے جو عیسائی پادریوں کو حاصل ہے۔ مسلمان علماء ان حکام کی نگاہوں میں ویسے ہی ذلیل و خوار ہیں جیسے انگریز حاکموں کی نگاہ میں کبھی تھے۔ مگر مسیحی پادری ان کا بھی اسی طرح "فادر" ہے جس طرح انگریز حاکموں کا تھا۔ یہ ایک اور سبب ہے جس کی بنا پر دیہات کے بے سہارا لوگ اپنے آپ کو پولیس اور زمینداروں اور با اثر غنڈوں کے ظلم سے بچانے کے لیے مسیحیت میں پناہ ڈھونڈنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔

یہ تو غریبوں میں مسیحیت کے پھیلنے کے اسباب ہیں۔ رہے کھاتے پیتے طبقے، تو ہماری حکومت ہی کی پالیسی کا یہ نتیجہ ہے کہ خوش حال لوگ اپنی اولاد کو اردو زبان اور اپنی قومی تہذیب اور اپنے دین کی تعلیم و تربیت دینا لاحاصل سمجھتے ہیں اور ان کو ایسی تعلیم و تربیت دلوانے کی کوشش کرتے ہیں جس سے وہ زبان اور اطوار و عادات کے اعتبار سے پورے انگریز یا امریکی بن جائیں۔ اس غرض کے لیے وہ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو مسیحی اداروں میں بھیجتے ہیں جہاں کا پورا ماحول ان کو اسلام اور اسلامی تہذیب سے بیگانہ اور اسلامی تعلیمات سے محض ناواقف ہی نہیں بلکہ منحرف اور باغی بنا دیتا ہے۔ اس کے بعد اگر یہ نوجوان عیسائی نہ بھی بنیں تو بہرحال مسلمان تو نہیں رہتے۔ بلکہ مسلمانوں کی بہ نسبت عیسائیوں سے بہت قریب ہو جاتے ہیں۔ یہی لوگ تعلیم سے فارغ ہو کر ہمارے بڑے بڑے افسر بنتے ہیں اور اونچے عہدے انہی کے لیے مخصوص ہو جاتے ہیں۔ ان سے کون یہ امید کر سکتا ہے کہ ان کی ہمدردیاں مسیحیت کے مقابلے میں کبھی اسلام کے ساتھ ہو سکیں گی اور مسیحیت کے فروغ کو روکنے کا کوئی جذبہ ان میں پیدا ہو سکے گا۔

اِن حالات میں آپ خود بتائیے کہ محض مسیحی عقائد کی تردید میں مضامین لکھنے یا گاؤں گاؤں تبلیغ کے لیے دورے کرنے سے مسیحیت کے اس سیلاب کو کہاں تک روکا جا سکتا ہے۔